اضطراب اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا کہ اس عجیب واقعہ پر قوم بہتان تراشے گی جب کہ وہ اس راز کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔

اسی خدشے کے پیش نظر حضرت مریمؑ ہیکل سے نکل کر بیت لحم چلی گئیں، ہیکل سے نو میل دور کوہ سراۃ (ساعیر) کے ٹیلے پر پہنچ گئیں۔ دردِ زہ کی تکلیف و آزمائش اور غیر معمولی اضطراب کے خوف سے کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور آنے والی ساعتوں کا انتظار کرنے لگیں۔ پریشانی میں پکار اٹھیں: "کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔"

حضرت عیسیٰؑ متولد ہوئے اور حضرت مریمؑ نونائیدہ بچے کو لیکر قوم کے پاس گئیں۔ لوگ چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ اور انہوں نے کہا:

"اے مریم! یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار عورت تھی۔"

اس پر حضرت بحکم خداوندی کچھ نہ بولیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے تعجب سے کہا: "ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔" ــــ بچے کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی عطا کی اور وہ بول اٹھا۔ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اور بابرکت کیا۔ خواہ میں کسی جگہ رہوں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا۔ مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جب میں پیدا ہوا اور جب میں مروں اور زندہ کرکے اٹھایا جاؤں۔"[۹]

قوم شیر خوار بچے کی زبان سے یہ کلام سن کر حیرت زدہ رہ گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ مریم پاک دامن ہے اور یہ بچہ اللہ کا نشان ہے۔ حیرت انگیز بچے کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ کچھ لوگوں نے اس بچے کو یمن وسعادت کا ذریعہ سمجھا اور کچھ شریر لوگوں نے اپنی راہ میں رکاوٹ خیال کیا۔ تاہم حق و باطل اور خیر و شر کی آویزش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کا انتظام کر دیا۔

"ابن مریمؑ اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشان بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے۔"[۱۰]

مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی حفاظت کے لئے دو بار وطن چھوڑنا پڑا۔ پہلے ہیرودیس بادشاہ کے عہد میں وہ انہیں مصر لے گئیں اور اسکی موت تک وہیں رہیں۔ پھر آرخلاؤس کے عہد حکومت میں ان کو گلیل کے شہر ناصرہ میں پناہ لینی پڑی۔[۱۱]

یہود کی حالت | حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے وقت یہودی جہالت، شرکیہ رسوم اور بدعات اپنائے ہوئے تھے۔ توحید کو بھلا بیٹھے تھے۔ دولت کی ہوس نے باہمی سر پھٹول اور عداوت پیدا کر دی تھی۔ احبار و رہبان اس حد تک دنیا پرست ہو گئے تھے کہ وہ خود ساختہ کہانیوں اور قصوں کو من جانب اللہ کہہ کر پیش کرتے اور بنی اسرائیل بلا چون وچرا ایمان لے آتے۔ دنیا کی لذات کی خاطر حرام وحلال کے قوانین تک کو بدل ڈالا۔ اور قوانین الٰہی کو مسخ کر دیا۔

سفاکی اور بہیمیت کا یہ عالم تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔ اس دور میں حضرت عیسیٰؑ سن شعور کو پہنچے اور رشد وہدایت کے منصب پر فائز ہوئے۔ راہبوں کی خانقاہوں اور امراء کے محلوں میں آوازہ حق بلند کیا اور وحدت خداوندی کی مشعل روشن کی۔ "خدا کی بادشاہت" کا مژدہ سنایا۔

معجزات عیسیٰؑ | ابن مریمؑ کو انبیائے سابقہ کی طرح معجزات عطا کئے گئے۔ ان کے چار معجزوں کی طرف قرآن حکیم اشارہ کرتا ہے[۱۲]

۱۔ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

۲۔ مادر زاد اندھوں کو بینا اور جذامی کو اس کے مرض سے نجات دیتے تھے۔

۳۔ مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک مارتے تو خدا کے حکم سے ان میں روح پڑ جاتی تھی۔

۴۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کس نے کیا کھایا، کیا خرچ کیا اور کیا گھر میں محفوظ رکھا ہے۔

پرندوں کی تجسیم کے معجزے کا ذکر مروّجہ اناجیل اربعہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) COPTIC CHURCH کی مستند ہے۔ اس میں صاف مذکور ہے۔ ڈاکٹر بج (BUDGE) نے اپنی کتاب LEGENDS OF OUR LORDMARY کے مقدمہ ص ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے۔"[۱۳]

مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینا حضرت عیسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ہے۔ اس معجزے کا اناجیل میں متعدد مقامات پر ذکر ہے۔[۱۴]

کوڑھیوں کو تندرست کرنے کا ذکر دو جگہ ہے[۱۵]

مردوں کا احیاء انجیل میں مرقوم ہے۔[۱۶]

ان معجزات کو دیکھ کر یہود نے انہیں جادوگر اور شعبدہ باز کہنا شروع کیا۔ یہودی مورخ جوزیفس (م ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ "آثار یہود" میں ان کا ذکر جادوگر کی حیثیت سے ہی کیا ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی اسی خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔

تعلیماتِ عیسیٰؑ | انبیائے کرام کی تعلیمات کی غایت ایک ہی تھی اور وہ صرف یہ کہ راہ گم کردہ لوگوں کو اللہ کا پیغام سنایا جائے اور انہیں خدائی اطاعت کا سبق دیا جائے۔

حضرت عیسیٰؑ نے کسی نئے مذہب کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اُسی دین کی دعوت دی جو حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء لائے تھے۔ رائج الوقت اناجیل میں بھی اسکی واضح شہادت موجود ہے۔

متی کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے پہاڑی وعظ میں کہا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" [۱۷]

اسی طرح "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے۔" [۱۸] انجیل کی زبان میں "شریعت" سے مراد شریعتِ موسوی ہی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے توحید، رسالت، کتاب، ملائکہ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ آج بھی اناجیل کے محرّف ہو جانے کے باوجود ان عقائد کی جھلک پائی جاتی ہے۔ برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں کے اختیار پر زور دیا گیا۔ اور خدا کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی تبلیغ کی گئی۔

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی دعوت کا آغاز ناصرہ سے کیا ہے۔ پہلے مرحلے پر بھائی بند اور اہلِ شہر مخالفت پر اُتر آئے۔ یہودیوں نے بحیثیتِ قوم سرکشی اختیار کی اور کج روی کی بنا پر اس پاکیزہ تعلیم کو رد کر دیا۔ جس مٹھی بھر جماعت نے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو درست سمجھا اور اپنی زندگی ان کے مطابق ڈھال دی۔ قرآن ان لوگوں کو "حواری" کے لقب سے پکارتا ہے۔ بائبل میں ان کے لئے "شاگردوں" اور "رسولوں" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

تین سال تک تبلیغ جاری رہی، لیکن یہودی اپنی خباثت اور کج روی کی بنا پر مخالفت میں سرگرم رہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا: "نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔" [۱۹]

یہود کی سازش | یہودی راہنماؤں نے حکمرانِ وقت کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کیا چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں ان پر مقدمہ چلا کر واجب القتل قرار دیا۔ پھر رومی عدالت میں یہی عمل دہرایا۔ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبے فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا حصہ تھا۔ البتہ مقامی باشندے نیم خودمختاری و آزادی رکھتے تھے۔ شہنشاہ رومہ کی طرف سے شام کا وائسرائے نامزد کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کو پرسنل لاء کی آزادی حاصل تھی اور وہ

اپنے مقدمات خود فیصل کرتے تھے۔ تاہم سزا کے نفاذ کے لئے انہیں مجرم کو ملکی عدالت میں پیش کرنا پڑتا تھا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے رومی وائسرائے کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہ ان کی امتیازی اور اعلیٰ سیرت و کردار سے متاثر ہوا۔ اگر اس کے بس کی بات ہوتی تو وہ حضرت عیسیٰؑ کو مجرم نہ گردانتا۔ لیکن یہودی کاہنوں کے دباؤ نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دیدے۔ نے ایک گلاس پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے اور ہجوم کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم گواہ رہو میں اس بے گناہ کے خون سے بری ہوں" یہ کہہ کر اس نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دینے والوں کے حوالے کر دیا۔

اناجیل اربعہ کی روایات کے مطابق انہیں نہایت کسمپرسی کے عالم میں صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور صلیب پر ان کی موت واقع ہوئی۔ تدفین کے تیسرے روز جی اُٹھے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب نہ دی جا سکی بلکہ صلیب دینے والوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ عیسائیوں کا ایک قدیم فرقہ باسیلیدیہ (BOSILIDIOUS) اسلامی نقطۂ نظر کا حامل تھا۔

ماخذ و حوالہ جات

۱؎ آل عمران ۔ ۳۵	۲؎ مریم ۔ ۲۸
۳؎ التحریم ۔ ۱۲	۴؎ تفسیر ماجدی ج اوّل ص ۱۳۰
۵؎ فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۶ منقول قصص القرآن ج ۴	
۶؎ لوقا ۱ ۔ ۵	۷؎ لوقا ۱ : ۲۶ ۔ ۲۷
۸؎ متی ۱ : ۱۸	۹؎ مریم : ۳۰ ۔ ۳۱
۱۰؎ المؤمنون : ۵۰	۱۱؎ متی ۲ : ۱۳ ۔ ۲۳
۱۲؎ آل عمران : ۴۹	۱۳؎ تفسیر ماجدی ج اوّل ص ۱۳۵
۱۴؎ متی ۹ ، ۲۷ ۔ ۳۰ ، مرقس ۸ : ۲۲ ۔ ۲۵ ، یوحنا ۹ : ۱ ۔ ۷	
۱۵؎ متی ۸ : ۱ ۔ ۳ ، لوقا ۱۷ : ۱۱ ۔ ۱۴	
۱۶؎ لوقا ۷ : ۱۱ ۔ ۱۶ ، متی ۹ : ۱۸ ۔ ۲۵	
۱۷؎ متی ۵ : ۱۷	۱۸؎ لوقا ۱۶ : ۱۷

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
خطیب جامع مسجد حضرو

تذکار
ٹیپو سلطان
رواداری اور بے تعصبی کا مظہر اتم

اقبال مرحوم نے نمازیٔ اسلام سلطان میسور حضرت ٹیپو شہید کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ ؏ مشرق اندر خواب او بیدار بود

گہری نظر سے دیکھنے والا محسوس کریگا کہ شاعرِ مشرق نے کتنا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ یورپ کے بساطی اور خردہ فروش تاجر بد قسمت انڈیا کو ہڑپ کرنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے، ایسے عالم میں واحد سلطان ہی تھا جس نے مستقبل کو بھانپا اور ہر ممکن تدابیر اختیار کیں تاکہ وطن عزیز غیروں کے قبضہ میں نہ جائے لیکن صادق و پورنیا جیسے غداران ازلی کی نمک حرامی نے سلطان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ میسور کی چوتھی جنگ کے آخری دن جب شہید ملت نے محسوس کر لیا کہ وہ یکہ وتنہا ہے اور نمک حرام کارندے دشمن سے مل چکے ہیں تو اس نے ان دشمنان ملک وملت پر آخری بار مایوسانہ نگاہ ڈالی اور کہا؛

"اس غداری اور بے وفائی کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری نسلیں ایک ایک دانہ چاول کو ترسیں گی۔ اور دنیا میں نہایت ذلت ونکبت کی زندگی بسر کریں گی۔"

آخری وقت میں سلطان شہید کے منہ سے جو کچھ نکلا اسکی صداقت کی زمانہ گواہی دے رہا ہے۔ سلطان نے انگریز مکار کی فریب کاری کو محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے "ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے ہے" کا نعرہ لگایا۔ اور سودیشی تحریک اور تحریک ترک موالات کو جنم دیا تاکہ ہند کے باسی اپنی اہمیت کو محسوس کریں اور عیار دشمن سے کسی قسم کا بھی رابطہ قائم نہ کریں۔ اس سلسلہ میں وہ اتنا حساس تھا کہ اپنے دستر خوان پر غیروں کا نمک بھی گوارا نہ کرتا۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۱) رعایا کو سخت تاکید کر دی کہ کرناٹک (انگریزی علاقہ) سے آنے والی چیزوں کو ہاتھ تک

نہ لگائیں۔ (ایضاً صہ۱۷۶) ـــــ ذرا آگے بڑھ کر آں شہید کا ایک خط بنام خواجہ اعتمادی ملاحظہ فرمائیں:

"تمہاری مرسلہ فہرست ادویات میں چند ایسے عطریات کے نام مندرج پائے گئے ہیں جو یورپین ملکوں کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا حکیم محمد بیگ سے مشورہ کر کے ان کی بجائے یونانی ادویات تجویز کریں۔ ۱۲ر دسمبر ۱۷۸۵ء (صحیفہ ٹیپو صہ۲۷۶)

اسی خط کی روشنی میں اور سلطان کے بلند کردار کے پیشِ نظر میتھک سوسائٹی جنرل اکتوبر ۱۹۱۹ء صہ۳۵ پر سابق دیوان میسور سردار کنت راج ارس نے لکھا کہ:

"جس تحریک کو آج سودیشی تحریک کہا جاتا ہے اسکی بنیاد ٹیپو سلطان ہی نے ڈالی تھی اور اس سے مقصد اپنے ملک کو غیروں کی محتاجی سے بچانا تھا" صحیفہ صہ۲۷

لیکن افسوس کہ اہل ملک غیر کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کا شاید تہیہ کر چکے تھے کہ کسی نے بھی اس کے مقصد کو نہ سمجھا۔ فیا حسرتا۔ چونکہ ابھی تک غلامی کا خمار چڑھا ہوا ہے اس لئے اب بھی عقل و ہوش سے کام نہیں لیا جا رہا۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد جب نگاہیں حقائق تک پہنچیں گی تو پھر سلطانی احکام و فرامین کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گا۔

ٹیپو نے انگریزی پالیسی "ڈیوائڈ اینڈ رول" کو محسوس کر لیا تھا، جبھی تو اس نے تمام ہندوستان کے حکمرانوں جن میں نظام حیدر آباد مرہٹے، راجپوت، سکھ اور گورکھا تک شامل تھے (ماڈرن میسور) کو بار بار دعوت دی کہ مشترکہ اور بیرونی دشمن کا مقابلہ باہمی اتحاد سے ہی موزوں رہے گا۔ لیکن باقی کو تو چھوڑیئے کہ انہوں نے کیا سلوک کیا نظام جیسے مسلمان نے اپنی مسلمانی کا یوں ثبوت دیا کہ میر عالم کو کلکتہ بھیجا تاکہ گورنر جنرل کو سلطان سے لڑائی پہ آمادہ کرے۔ (نشان حیدری)

حقیقت یہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں صرف ٹیپو ہی کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھتے تھے۔ اگر دوسرے لوگ اس کے ساتھ تعاون کرتے تو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیں انگریزی اعترافات کہ اصل میں حارج ٹیپو ہی ہے۔

"ہماری فوجی طاقت ایسی ہے کہ موقع دیکھ کر ہم آسانی سے پورے ہندوستان پر قابض ہو سکتے ہیں، لیکن ٹیپو کی طاقت اس میں حارج ہے اگر سرنگاپٹم پر قبضہ ہو گیا تو تمام معاملات آسان ہو جائیں گے لیکن اس کے لئے ایک سکیم تیار کرنی پڑیگی"۔

(سرٹی مزو کا فرمان مندرجہ ایمپائر ان ایشیاء از میجر ٹارنس صہ۱۷)

بورنگ نے اپنی کتاب "حیدر علی و ٹیپو سلطان" کے صہ۱۵۰ پر اعتراف کیا:

"یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ٹیپو نے ان جنگوں میں جو تدابیر اختیار کیں اور جنگی چالیں

چلیں انگریزی جنرل ان کے جواب سے قاصر تھے۔"

میدانِ رزم میں مقابلہ نہ ہو سکا تو فریب کاری سے مزوّ والی سکیم تیار کی اور اسطرح اس سنگِ گراں کو راستہ سے ہٹایا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک اور انگریزی مورخ دو لفظی رائے دیتا تھا اور بالکل صحیح کہ: "ہندوستان میں انگریزوں کی راہ میں ٹیپو ہی ایک سنگِ گراں تھا"

۱۷۹۹ء میں ٹیپو شہید ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں ارکاٹ، تنجاور اور اودھ کی حکومتیں ختم ہوئیں۔ ۱۸۰۱ء میں نظام کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ ۱۸۰۲ء میں مرہٹے ٹھنڈے ہو گئے۔ (بٹسن ص۲۱۵) اور ۱۸۰۳ء میں عملاً دہلی پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا ——— اور نقشہ کو دیکھنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ واقعی حارج ٹیپو ہی تھا۔ اس کا مقابلہ مشکل تھا وہ سنگِ گراں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں پورا برصغیر بالخصوص سلطنت خداداد اپنی خوشحالی میں ضرب المثل تھی۔ لیکن مٹھی بھر نمک حراموں کی بے غیرتی اور قوم فروشی کی وجہ سے وہ بہاریں ایسی روٹھیں کہ واپسی کا نام تک نہیں لیتیں۔

شہادت سے چند لمحات پہلے ٹیپو کے منہ سے نکلے ہوئے وہ جملے پھر دیکھیں تاکہ پتہ چلے کہ وہ خوشحالی و فارغ البالی کیوں عنقا ہے؛

> "اس غداری اور بے وفائی کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری نسلیں ایک ایک دانہ چاول کو ترسیں گی۔ اور دنیا میں نہایت ذلت و نکبت سے زندگی بسر کریں گی۔"

ہاں تو سلطنت خداداد کے متعلق چند جملے انگریزی قلم سے نکلے ہوئے ملاحظہ فرمالیں اس لئے کہ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

> "ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے۔" (میجر ڈارنس۔ ایمپائر ان ایشیا ص۴۱)
>
> جب ہم اس (ٹیپو) کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جسقدر بھی مل سکتی ہے۔ اس پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار

نہیں تھی۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت اتم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کے کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں" (سفرنامہ ٹیل)

اور اس خوشحالی کا اصل سبب یہ تھا کہ مرحوم نے زمینداری سسٹم کی لعنت کو ختم کر کے شرعی طریق سے زمین تقسیم کر دی تھی۔ (ماڈرن میسور)

اپنی ان گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ٹیپو اتنا ہر دلعزیز تھا کہ سرنگا پٹم کے باشندوں نے اپنی دولت انگریز کو پیش کرنا چاہی کہ وہ سلطنت ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ (مورخ سنکلیر)

لیکن انگریز کا اس مطالبہ پر آمادہ نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ سب سے بڑے کانٹے کو راستہ سے ہٹا کر اب اسکی اولاد کو موقعہ کون دیتا تھا؟ تاہم اس مرحلہ پر ایک سوال ہے کہ اس قدر جری، بہادر، خدا ترس، فقیر منش، غیور و ہردلعزیز بادشاہ "تاریخی نوادرات" میں سب سے زیادہ بدنام کیوں ہے۔؟

انگریزی فکر کو سمجھنے والے لوگ تو بہرحال جانتے ہوں گے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ اقوام ہند کے درمیان نفرت و حقارت پیدا کرنے کیلئے انگریز مؤرخین مادر پدر آزاد قسم کی تاریخ مرتب کر کے شاہان ہند بالخصوص ٹیپو اور اورنگ زیب غازیوں کو خوب کوسیں، رہ گئے نام نہاد مسلم مؤرخین تو انہیں لارڈ میکالے نے جو جام پلایا تھا اس کے نشہ کے بعد کسی خیر کی توقع ہی عبث ہے کیونکہ — ع بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر۔ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر۔

ہندی تاریخ کا سب سے بہتر تجزیہ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"پالیٹکس کے کھیل سے اس ملک کا علم تاریخ بھی بچا ہوا نہیں بلکہ صاف صاف کہنا چاہئیے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے ہندوستان کا مشہور پھل "پھوٹ" پیدا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی اچھائی اور برائی کی بہت سی باتیں کہی جاسکتی تھیں، مگر ان کے بعد ملک میں جو حکومت آئی۔ اس کے زمانہ میں تعلیم کا سر رشتہ پورا کا پورا غیر ملکیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ان لوگوں کے ہر جتھے کی ہر طرف سے یہ کوشش تھی کہ اپنے راج کی بڑائی کو ہر ہندوستانی کے دل میں بٹھا دے۔ اور ساتھ ہی ایک ایسا کرتب کرے جس سے ان کے دل کے شیشے ٹوٹ کر پھر جُڑنے نہ پائیں۔

تعلیم کے سارے مضمونوں میں اس کام کیلئے تاریخ کے سوا اور کوئی چیز مناسب نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس ملک کیلئے تاریخ کی جو کتابیں شروع سے آخر تک لکھیں اور پڑھائیں ان میں یہی باتیں سو سو طرح الٹ پلٹ کر سمجھائیں اور پڑھائیں کہ جو دل ان سے ٹوٹے تھے پھر اب تک جُٹ نہ سکے۔" (معارف ص۵ اپریل ۱۹۴۵ء)

مرحوم سید صاحب کے اس تجزیہ کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اسکی روشنی میں سلطانی خطوط کے انگریز مرتب کرک پیٹرک کے کردار کا جائزہ لیں کہ وہ بیک وقت سلطان کے متعلق کس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

"ان مکاتیب کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں سلطان کی شخصیت کو قارئین کے قریب سے قریب تر لاؤں، اس کے سیاسی مالی اور تجارتی انتظام کو واضح کرتے ہوئے اس زمانہ کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالوں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ سلطان نہ صرف سخت محنتی تھا بلکہ اپنے فرائض کا حد درجہ پابند بھی تھا۔۔۔۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان کا مصنّف یعنی سلطان نہایت ہی منتظم اور غیر معمولی محنتی شخص تھا۔ اس کا ہر کام باقاعدہ تھا۔۔۔۔ سلطان اپنے منشیوں سے بہت کم کام لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت زیادہ مکاتیب خاص اسکی تحریر میں ملتے ہیں۔۔۔۔ مختصر الفاظ میں مطالب کو ادا کرنا سلطان کا ایک خاص وصف ہے۔۔۔۔ ان مکاتیب کے آئینہ میں بیک وقت اگر ان کے مصنف کی غیر معمولی ذہانت، اختراعی قوت، جوہر قابلیت اور انتظامی صلاحیت نظر آتی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ ایک بے رحم اور بے درد دشمن، ایک غیر روادار متعصب، ایک سفاک و بے انصاف حاکم، ایک شوریدہ سر ظالم، ایک ریاکار سازشی، ایک خونخوار و بے مہر فرمانروا، ایک سبک سر و تلون مزاج حاسد ایک ہلکی اور جزرس طبیعت کا کفایت شعار ایک بساطی اور خردہ فروش تاجر بھی تھا۔"

آپ اندازہ فرمائیں کہ گوری چمڑی والے مکار و کمینہ صفت دشمن نے سلطان شہید جیسے صاحب تقویٰ و ورع، خود دار و غیور اور بے تعصب و رواداری کے مظہر اتم کے متعلق ایک ہی سانس میں کتنی متضاد باتیں کہہ دی ہیں۔ ابتدائی پیراگراف تو حقیقت کا اظہار ہیں جبکہ آخری جملے مخصوص مقاصد

کو پورا کرنے کیلئے لکھنے ضروری تھے آخر سلطان سب سے بڑا انگریز دشمن جو تھا۔

کرک پیٹرک کا یہ لکھنا خالی از وجہ نہیں سلطان نے — "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔" — کا نعرہ رستا خیز بلند کیا اور جب تک اس کی روح قفس عنصری سے پرواز نہ کر گئی اس نے بقالانِ یورپ کو سُکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ بلکہ تاریخ سلطنت خداداد کے مصنّف کی شہادت ہے کہ جب سلطان شہید ہو کر گرا تو اسکی آنکھیں کھلی تھیں، لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ تلوار کے دستے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اور جسم اس قدر گرم تھا کہ لارڈ ولزلی کو شبہ ہُوا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی تب اسے اطمینان ہُوا، اور جنرل ہیرس فرطِ مسرت سے پکار اٹھا — "آج ہندوستان ہمارا ہے۔"

اس کردار کے مالک انسان کے متعلق کرک پیٹرک اتنا بھی نہ لکھے —؟ اور ایک کرک پیٹرک ہی نہیں پوری دنیاء نصرانیت کا یہی عالم ہے۔ کہ انہیں رات کو خواب میں بھی اس شیر دل انسان کی شبیہ دکھائی دیتی ہے۔ اور انہوں نے اس کو جی بھر کر کوسنا اپنا محبوب مشغلہ بنا رکھا ہے۔ انگریزی دنیا کی بے قراری و بے چینی کا حال کپتان ٹل سے پوچھیں:

"گذشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جا رہا ہے جس سے ٹیپو کو بدنام کیا جا سکے۔ لغات میں ذلیل سے ذلیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں، باوجود اس کے بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں، اس لئے یہ لوگ نئی اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔" (سفرنامہ ٹل از ایڈورڈ مور د ماڈرن میسور صفحہ ۲۲)

دیکھا اس فدائے وطن، غازئ اسلام اور مجاہد فی سبیل اللہ کے متعلق انگریز دنیا کس انداز سے سوچتی ہے؟ لیکن اگر یہ سب کچھ انگریز کے قلم سے نکلتا تو چُپ سادھ لیتے۔ جب میکالے کے معنوی فرزند اور ولائتی مرغی کے دیسی بچے اس قسم کی حرکات کرتے ہیں اور مجاہدین حریت و کشتگان تسلیم و رضا کو کوستے ہیں، تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

سلطان کی بے تعصبی، رعایا پروری، رواداری اور اس قسم کی دوسری پاکیزہ صفات پر ضخیم دفاتر مرتب ہو سکتے ہیں، لیکن محبت امروزہ میں چند خطوط سلطانی پیش خدمت ہیں اس لئے کہ خطوط انسانی جذبات کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔

میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں، مرہٹوں اور نظام نے اتحاد ثلاثہ کے تحت سلطنت سلطان